دوبارہ بصورت سائز کلاں ترتیب دی۔ اسی بنا پر لغت ہٰذا کے دو دیباچے ہیں:

دیباچہ اوّل کی ابتداء: "ابتدائے کلام ہر دانشمند سخنور واتمام گوہر ہر خردمند ہنر پرور" الخ

〃 دوم 〃 〃 : "بر ضمیر اکسیر تاثیر مطالعہ کنندگان کہ چشمۂ حیات طبع شان" الخ

ہے۔ بلاکمن[1] (H. Blochmann) لغت ہٰذا کا دوبارہ ترتیب سال ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء لکھتے ہیں[2] جو کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ دیباچہ ثانی میں صراحتہً ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۸ء مذکور ہے۔ چنانچہ چارلس ریو (Charles Rieu) نے ایچ۔ بلاکمن کی تردید کی ہے[3]۔ نیز ہرمن ایتھے (Hermann Ethe) نے بھی ترتیب ثانی کا سال ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۸ء ہی لکھا ہے[4]۔

مصنف موصوف کی اِس لغت پر ملّا عبدالرشید ٹھٹوی[5] نے زبردست تنقید کی ہے جس کی پوری تفصیل ایچ۔ بلاکمن نے دی ہے۔ اس سلسلے میں "فرہنگ رشیدی" کے دیباچے سے ایچ۔ بلاکمن نے جو عبارات نقل کی ہے اس کا کچھ حصہ یہاں نمونۃً دیا جا رہا ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ و حاشیہ نمبر ۳ و ۴) پھر ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۱ء میں مصنف موصوف نے آگرہ میں وفات پائی۔

[3] مصنف قرا حصاری (القراحصاری) [4] مؤلف محمود بن شیخ ضیاء الدین محمد۔

[1] یہ مسٹر کلکتہ مدرسہ (مدرسہ عالیہ) میں اسسٹنٹ پروفیسر عربی تھے۔ [2] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۳۷، حصہ ۱، ۱۸۶۸ء: ص ۱۲ و ۱۶۔ [3] کیٹلاگ فارسی برٹش میوزیم، لندن، جلد دوم: ص ۴۹۹۔ [4] کیٹلاگ فارسی انڈیا آفس لائبریری، لندن، جلد ۱: ص ۳۴۲-۴۳۔ [5] موصوف مقام ٹھٹھہ (سندھ) کے رہنے والے تھے جن کی یادگار دو لغات ہیں۔ ایک عربی لغت موسوم بہ "منتخب" (بسال ۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۵ء) اور ایک فارسی لغت بنام "فرہنگ رشیدی" (بسال ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۳ء)۔ یہ آخری لغت بہت مشہور اور مستند مانی جاتی ہے۔ موصوف شاہجہاں کے دربار سے منسلک تھے۔ وفات ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸-۵۹ء میں ہوئی۔

"چون فرہنگ جہانگیری و سُروری مطالعہ افتاد، جامع ترین فرہنگہا دیدہ اما مشتمل بود بر امری چند کہ احتراز و اجتناب ازاں لازم و متحتم گردید۔ اوّل آنکہ مؤلفان آں دو فرہنگہا در حل لغات اطناب کردہ اند با یراد عبارت مکررہ بیحاصل و اشعار متکثرہ لاطائل، دوّم تصحیح لفظ و توضیح اعراب و تنقیح معانی چنانکہ باید نکردہ اند، سوّم آنکہ بعضی لغات عربی درمیان لغات فرس درج کردہ و تنبیہ نہ نمودہ اند کہ فرس نیست و چہارم آنکہ بعضی لغات بتصحیفات خواندہ و لغات متعددہ پنداشتہ چند جا ذکر کردہ اند[5] الخ

"مجمع الفرس"، ترکی، عربی اور فارسی لغت پر مشتمل ہے جو پہلی بار سنہ ۱۸۴۴ء میں تبریز سے شائع بھی ہو چکی ہے۔ اور قلمی صورت میں خدا بخش لائبریری پٹنہ اور ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ میں بھی موجود ہے۔

سروری کا اصل وطن اصفہان تھا۔ بعہد شاہجہاں ۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۲ء میں ہندوستان آئے اور ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء میں لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ پھر یہاں سے بقصد حج خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے لیکن راستے ہی میں پروانۂ مرگ آ گیا۔ مخصوص مقام و سالِ وفات کی صراحت نہیں مل سکی۔

[5] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۳، حصہ اول، سنہ ۱۸۶۸ء

مولانا عرشی

ادب میں حق و صداقت کی قابلِ رشک مثال

پروفیسر ڈاکٹر آمنہ خاتون

مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی ناظم رضا لائبریری رامپور[۵] نے سید احد علی یکتا لکھنوی کی دستور الفصاحت کو اپنے مقدمے اور حاشیے کے ساتھ ۱۹۴۳ء میں شائع کیا تھا۔ میں نے یہ کتاب خود مولانا عرشی سے ۱۹۴۶ء کے اوائل میں منگوائی تھی یہی پہلا خط تھا جو میں نے مولانا کو لکھا تھا انھوں نے کتاب بھیجی اور ساتھ ہی خط لکھا کہ میں کتاب کے بارے میں اپنی رائے لکھ بھیجوں میں نے جو رائے لکھ کر بھیجی تھی اس کو مولانا ہی نے رسالہ برہان دہلی بابت اپریل ۱۹۴۷ء میں "دستور الفصاحت اس کی ترتیب اور حواشی پر ایک نظر" کے عنوان سے شائع کرایا پھر یہ تبصرہ میرے مجموعۂ مضامین تحقیقی نوادر ۱۹۴۹ء میں شامل ہوا، مولانا عرشی اپنے خط مؤرخہ ۱۵ جنوری ۱۹.. میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"آپ نے جس محنت اور دیدہ ریزی سے اس تبصرے کو لکھا ہے اس کی قدر و قیمت اور کوئی جانے یا نہ جانے میں خوب جانتا پہچانتا ہوں آخر میرا کام ہی دن رات ... ہے۔

مضمون رکھا کیوں رہا حالانکہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ اسے پاتے ہی رسالہ برہان

۵؎ افسوس ہے کہ ۲۵ فروری ۱۹۸۱ء کو بعمر ۷۶ سال مولانا کا رام پور میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ الخ۔

وہاں کو بھیج دوں گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے تبصرہ کرتے وقت مجھے مخاطب بنایا اور اس تعلق کی بنا پر جو ہم قومی اور ہم ذوقی نے میرے اور آپ کے درمیان پیدا کر دیا ہے کچھ ایسی کھری کھری بھی سنا دیں جو عالم آشکارا ہونے کے قابل نہ تھیں۔ آپ نوعاً سوچیں گی اور کہیں گی کہ دیکھا نا، سچی بات برداشت نہ ہو سکی۔ اور میں نے جو ایک ایک کر کے میاں کی غلطیاں نکال دیں تو لگے کونے جھانکنے اور باتیں بنانے، حاشا و کلا کہ یہ بات ہو۔ میں تو اپنی کوتاہیاں اجاگر ہونے سے خوش ہوتا ہوں چنانچہ مضمون آج بھیج رہا ہوں اور انشاء اللہ وہ سب باتیں خود بھی پڑھوں گا اور دوسروں کے پڑھنے کا باعث بھی بنوں گا۔ اصل میں آپ نے اس میں میری بعض ایسی کوتاہیاں پکڑی ہیں جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ یا حالات سے مجبور ہو کر ان کا مرتکب ہوا ہوں۔ آپ کے انھیں لکھنے سے یہ احتمال بلکہ کسی حد تک یقین ہے کہ جن اصحاب سے ان کا تعلق ہے وہ میری جانب سے سوءِ ظن پیدا کر لیں گے اور چونکہ ان سے خردانہ تعلق رکھتا ہوں اس لیے مجھے کسی طرح گوارا نہ ہوتا تھا کہ خدانخواستہ یہ صورتِ حال پیدا ہو جائے۔

میری مراد ڈاکٹر عبدالحق صاحب اور نواب صدر یار جنگ کی گرامی ذاتوں سے ہے، پہلے میں نے سوچا کہ ان حصّوں کو قلم زد کر دوں مگر یہ بددیانتی تھی، خیال آیا کہ آپ کو لکھ کر اجازت حاصل کر لوں۔ اتفاق دیکھیے کہ اس عرصے میں تقریباً ایک ہفتہ یا اس سے کچھ زیادہ ایک انگریزی مضمون کی تیاری میں لگ گیا۔ اب جو یاد آیا تو دیر ہو چکی تھی۔

آخر میں یہ طے کیا کہ مضمون جوں کا توں اشاعت کے لیے روانہ کر دوں، سوچا کہ اگر آپ کے سوا کوئی اور یہ باتیں لکھتا تو مجھے اشاعت کے بعد خبر ہوتی تو میں اس وقت میں کس طرح اسے روک سکتا تھا۔[۱]

---

[۱] حالی نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے: لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں (دیوان حالی صفحہ ...)

پھر مکتوب گرامی مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۴۷ء میں تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے آپ کا تبصرہ برہان دہلی کو بھیج دیا تھا۔ ۲۴ر جنوری کو اس کی رسید بھی آگئی۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے مدیر برہان نے آپ کے متعلق جو لکھا ہے اس کے جستہ جستہ فقرے سنانے کو جی چاہا، اچھا اب ان کی سنیے:

مقالہ دیکھ کر بڑی مسرت اس احساس سے ہوئی کہ ہمارے ملک میں اور خصوصاً خواتین میں افسانہ نگار اور ادب لطیف پر خامہ فرسائی کرنے والی ہی نہیں بلکہ ایسی بھی ہیں جو ایک مشہور ادبی کارنامے پر سنجیدہ اور متین تنقید بھی کر سکتی ہیں۔ کثر اللہ امثالہا"

مولانا عرشی نے ان خطوں میں حق بینی اور حق شناسی اور حق گوئی کا جو معیار اپنے قول اور فعل سے پیش کیا ہے فی زمانہ دنیائے اردو میں عدیم النظیر ہے۔ چنانچہ بعض دوسرے ادیبوں کے تاثرات میرے تبصروں کے بارے میں جو میں نے ان کی تحریروں پر لکھے اور ان کو بھیجے تھے مولانا عرشی کے تاثرات سے بالکل مختلف تھے۔ انھوں نے جواباً یہ تو نہیں لکھا کہ میرے تبصرے غلط ہیں لیکن دنیائے اردو کو ان سے فائدہ بھی اٹھانے نہ دیا۔

انشاء اللہ خاں انشا کی معرکۃ الآرا اور بے مثال تصنیف دریائے لطافت ہے اور انجمن ترقی اردو دہلی کے ذمہ دار ادارے نے برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی جیسے مشہور و معروف ادیب سے اس کا ترجمہ کرا کے شائع کیا تھا۔ میں نے انشاء کے متعلق اپنا مطالعہ اسی ترجمے سے شروع کیا۔ لیکن جیسے جیسے مطالعہ بڑھتا گیا انشاء کی لسانی قابلیت اور قواعد دانی اور

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴)

دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید — عیب ان کے دوست کیوں نہ جتائیں گے بے خطر

اور جو کہ دوست سے نہیں سن سکتے اپنے عیب — وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہوں گے بہرہ ور

جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یاں — موقوف عبرت ان کی نہ دشمن نہ دوست پر

اصابت رائے پر میرے شبہات بڑھتے گئے اور مولوی عبدالحق مرحوم کی اس عبارت سے یہ شبہات اور قوی ہو گئے۔

"پہلی بار میں نے زبان وہی رکھی تھی جو انشا کی تھی، طبع ثانی میں اس خیال سے کہ فہم مطالب میں حارج ہوتی ہو فارسی سے اردو کر دی۔"

میں نے خیال کیا تھا کہ فہم مطالب میں شروح وحواشی کے ذریعے آسانیاں بہم پہنچانے کے بعد بھی اگر دریائے لطافت کے سمجھنے میں یہ یہ دشواریاں ہیں تو انجمن کے مطبوعہ فارسی نسخے کا کیا حال ہوگا؟ لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے اردو ترجمے کا اصل فارسی سے مقابلہ کیا۔

دریائے لطافت کے افہام وتفہیم میں اس ترجمے سے صدہا مشکلیں پیدا ہوگئی ہیں اور اگر انجمن ترقی اردو کا مطبوعہ فارسی نسخہ ناپید ہو جائے تو یقیناً انشا، کی تحقیقات مسخ ہو جائیں گی۔ لیکن اس میں بھی دو ایک مقام مبہم ہیں اور کتابت کی غلطیاں توبیسیوں ہیں۔

میں نے کیفی صاحب کی غلطیوں پر ایک مضمون لکھا۔ اور یہ مضمون ۱۹۴۴ء میں اشاعت کے لیے ایڈیٹر ہمایوں لاہور بھیجا۔ انھوں نے اس کو کیفی صاحب کو بھیج دیا۔ دو برس بعد ۱۵ اپریل ۱۹۴۶ء کو میں نے کیفی صاحب کی خدمت میں مرقوم الذیل خط بھیجا:

"مخدومی تسلیم مؤرخہ ۲۸ جنوری ۱۹۴۴ء کے عنایت نامے میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ میں مارچ تک بہت مصروف ہوں کام کی معمولی کھکیڑ تو رہتی ہی ہے۔ بہرصورت جلد از جلد آپ کے مضمون کو دیکھنے کا وقت نکالوں گا۔ لیکن اس پر تقریباً دو سال گذر گئے" دریائے لطافت ہندوستان بھر کے سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی نصابوں میں داخل ہے اس وجہ سے نہیں کہ انشاء کی تصنیف ہے بلکہ صرف اس وجہ سے کہ انجمن ترقی اردو نے شائع کیا ہے اور آپ جیسے کثیر المشاغل دنیائے اردو کے زعیم اور مشرقی ومغربی ادبوں کے ماہر نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور آپ کی اور انجمن کی ساکھ دنیائے اردو میں اس حد تک قائم ہے کہ محض آپ کی اور انجمن کی ضمانت پر

گیارہ سال کے عرصے میں ترجمۂ دریائے لطافت کے کسی پڑھنے یا پڑھانے والے نے اس کو اصل کے ساتھ مطابق کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اور مترجم کی لغزشوں کو انشاء کی تحقیقات یقین کر کے انھیں یاد کرتے چلے گئے۔ بہت ممکن ہے کہ بہتوں نے ان لغزشوں کو جانچا اور پرکھا ہو لیکن انھیں آپ تک یا اس ترجمے سے استفادہ کرنے والوں تک پہنچانے کی جرأت نہ ہوئی ہو یا اس امر میں تجاہل و تساہل سے کام لیا ہو یا ممکن ہے کہ اس دوسری قسم کے لوگوں کی سعی کا انجام بھی وہی ہوا ہو جو میری کوشش کا ہوا اس لحاظ سے دریائے لطافت کے اس ترجمے نے انشاء کی ادبی کاوشوں کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا صحیح اندازہ آپ جیسا محسن اردو ہی کر سکتا ہے۔ میں نے ترجمے کی جو چند نہایت نمایاں اور موٹی غلطیاں اپنے مضمون "حضرت کیفی اور دریائے لطافت کا ترجمہ" میں بتائی ہیں، ان کی اشاعت ہماری زبان یا رسالۂ اردو میں بلکہ ہندوستان میں متعدد اور کثیر الاشاعت ادبی رسالوں میں ضروری تھی تاکہ جن جن کے پاس یہ ترجمہ ہے ان سب تک یہ غلطیاں پہنچ جائیں اور انشاء کی طرف غلط چیزیں منسوب نہ ہو جائیں۔

انسان آخر انسان ہے غلطیاں اس سے ضرور سرزد ہوں گی۔ اس میں غیر فطری کوئی امر نہیں لیکن جب ان کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے تو پھر سو پچاس تک نہیں بلکہ کروڑوں کے حق میں یہ مضر ثابت ہو رہی ہیں تو اب تلک ان کا تدارک ہو جانا چاہیے تھا شخصی حیثیت یا ذاتی وقار مفاد اردو کے پیش نظر کوئی چیز نہیں۔

خدا گواہ ہے میرا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ میں ادبی یا صحافتی دنیا میں آپ کے معترض کی حیثیت سے کوئی مقام حاصل کروں۔ آپ کا یہ جملہ میرا ایمان ہے "کہ رسالوں میں مناظرہ برپا کرنا نہ آپ کو پسند ہوگا اور نہ مجھے پسند ہے" میں احسان فراموش بھی نہیں ہوں آپ کی عنایتیں مجھے کبھی بھی نہ بھولیں گی میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتی ہوں

لیکن جب دیکھتی ہوں کہ آپ کی شخصیت کی وجہ سے اردو کا نقصان ہو رہا ہے تو میری خاموشی دنیائے اردو کا ناقابل عفو جرم بن رہی ہے۔

للہ مجھے اس ذہنی کوفت سے نجات دلوائیے اور جلد از جلد میرے حوالے کے بغیر خود اپنی جانب سے اردو کے طالب علموں کو ترجمے کے اسقام سے مطلع کر کے انھیں رواج پا جانے سے روکیے۔ فقط۔

لیکن اس پر صدائے برنخاست بالآخر پورے پانچ سال بعد میں نے اس مضمون کو خود شائع کرا دیا جو میرے مجموعۂ مضامین "تحقیقی نوادر" (۱۹۷۹ء) میں شریک ہے۔

ان کی مثال ایسی ہے کہ کسی طبیب نے ایک معجون بنائی لیکن ترکیب غلط ہو گئی اور عوام بگڑ گیا۔ اب جس کو بھی وہ معجون کھلائی جاتی ہے اس پر اس کا اثر الٹا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے طبیب ہی کو معجون کے اس نقص کی طرف توجہ ہونی چاہیے تھی لیکن وہ خود توجہ نہ کر سکا کسی دوسرے نے جب ہر طرح سے طبیب ہی کو یقین دلایا کہ معجون زہر بن گئی ہے تو طبیب نے کہا کہ اس معجون پر میری اتنی محنت اور اتنا روپیہ خرچ ہوا ہے مریض مر جائیں تو طبابت کے عیب کو مٹی چھپا لیتی ہے لیکن معجون دفن کر دی جائے تو اس میں شہرت اور روپے کا خون ہوتا ہے البتہ جب دوبارہ بنے گی تو اپنی طرف سے بھی احتیاط برتی جائے گی اور آپ کے بتائے ہوئے نقائص کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ یعنی دوسرے ایڈیشن کے موقع پر اس سے استفادہ کیا جائے گا۔"

اب بمصداق کس برتے پر تتا پانی، چونکہ پہلے ایڈیشن کے زہر کے ایک ایک قطرے کو پوری احتیاط کے ساتھ ضائع ہونے سے بچا لیا گیا تھا، ارادی یا تقلیدی طور پر اس کتاب کی شہرت اس قدر گھٹ جاتی ہے کہ دوسرے ایڈیشن کی نوبت ہی نہیں آتی، اب اگر وہ کتاب جو شائع کی گئی تھی خود شائع کرنے والی کی تصنیف یا تالیف ہے تو وہ اکیلا ڈوبا اور اگر کسی دوسرے کی تھی تو اس کو بھی لے ڈوبا لیکن یہ مثال کوئی کلیہ نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ مولانا عرشی کی ذات گرامی اس سے مستثنیٰ ہے، اسی لیے قارئین کرام سے میری استدعا ہے کہ اگر وہ اردو ادب میں مولانا عرشی کے سے معاصرین